© rasailojaraid.com



# تفہیم القرآن

## الشّعراء

نام | آخری رکوع کی آیت وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول | مضمون اور انداز بیان سے محسوس ہوتا ہے اور روایات اس کی تائید کرتی ہیں کہ اس سورے کا زمانۂ نزول مکہ کا دورِ متوسط ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ پہلے سورۂ طٰہٰ نازل ہوئی، پھر واقعہ اور اس کے بعد الشعراء (روح المعانی جلد ۱۹ صفحہ ۶۴)۔ اور سورۂ طٰہٰ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

موضوع اور مباحث | تقریر کا پس منظر یہ ہے کہ کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تذکیر کا مقابلہ پیہم جحود و انکار سے کر رہے تھے اور اس کے لیے طرح طرح کے بہانے تراشتے چلے جاتے تھے۔ کبھی کہتے کہ تم نے ہمیں کوئی نشانی تو دکھائی ہی نہیں، پھر ہمیں کیسے یقین آئے کہ تم نبی ہو۔ کبھی آپ کو شاعر اور کاہن قرار دے کر آپ کی تعلیم و تلقین کو باتوں میں اڑا دینے کی کوشش کرتے۔ اور کبھی یہ کہہ کر آپ کے مشن کا استخفاف کرتے کہ ان کے پیرو یا تو چند نادان نوجوان ہیں، یا پھر ہمارے معاشرے کے ادنیٰ طبقات کے لوگ، حالانکہ اگر اس تعلیم میں کوئی جان ہوتی تو اشرافِ قوم اور شیوخ اس کو قبول کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو معقول دلائل کے ساتھ ان کے عقائد کی غلطی اور توحید و معاد کی صداقت سمجھانے کی کوشش کرتے کرتے تھکے جاتے تھے، مگر وہ ہٹ دھرمی کی نت نئی صورتیں اختیار کرتے نہ تھکتے تھے۔ یہی چیز آنحضور کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی اور اس غم میں آپ کی جان گھلی جاتی تھی۔

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ تم ان کے پیچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اپنی جان کیوں گھلاتے ہو۔ اِن کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انہوں نے کوئی نشانی نہیں دیکھی ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہٹ دھرم ہیں، سمجھانے سے نہیں ماننا چاہتے، کسی ایسی نشانی کے طالب ہیں جو زبردستی ان کی گردنیں جھکا دے، اور وہ نشانی اپنے وقت پر جب آجائے گی تو انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ جو بات انہیں سمجھائی جا رہی تھی وہ کیسی برحق تھی۔ اس تمہید کے بعد دسویں رکوع تک جو مضمون مسلسل بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ طالب حق لوگوں کے لیے تو خدا کی زمین پر ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر وہ حقیقت کو پہچان سکتے ہیں، لیکن ہٹ دھرم لوگ کبھی کسی چیز کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے ہیں، نہ آفاق کی نشانیاں دیکھ کر اور نہ انبیاء کے معجزات دیکھ کر۔ وہ تو ہمیشہ اُس وقت تک اپنی ضلالت پر جمے رہے ہیں جب تک خدا کے عذاب نے آکر ان کو گرفت میں نہیں لے لیا ہے۔ اسی مناسبت سے تاریخ کی سات قوموں کے حالات پیش کیے گئے ہیں جنہوں نے اسی ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا جس سے کفارِ مکہ کام لے رہے تھے۔ اور اس تاریخی بیان کے ضمن میں چند باتیں ذہن نشین کرائی گئی ہیں:

اوّل یہ کہ نشانیاں دو طرح کی ہیں۔ ایک قسم کی نشانیاں وہ ہیں جو خدا کی زمین پر ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، جنہیں دیکھ کر ہر صاحبِ عقل آدمی تحقیق کر سکتا ہے کہ نبی جس چیز کی طرف بلا رہا ہے وہ حق ہے یا نہیں۔ دوسری قسم کی نشانیاں وہ ہیں جو فرعون اور اس کی قوم نے دیکھیں، قومِ نوح نے دیکھیں، عاد اور ثمود نے دیکھیں، قومِ لوط اور اصحاب الایکہ نے دیکھیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا خود کفار کا اپنا کام ہے کہ وہ کس قسم کی نشانی دیکھنا چاہتے ہیں۔

دوم یہ کہ ہر زمانے میں کفار کی ذہنیت ایک سی رہی ہے۔ ان کی حجتیں ایک ہی طرح کی تھیں۔ ان کے اعتراضات یکساں تھے، ایمان نہ لانے کے لیے ان کے حیلے اور بہانے یکساں تھے۔ اور آخر کار ان کا انجام بھی یکساں ہی رہا۔ اس کے برعکس ہر زمانے میں انبیاء کی تعلیم ایک تھی۔ ان کی سیرت و اخلاق کا رنگ ایک تھا۔ اپنے مخالفوں کے مقابلے میں ان کی دلیل و حجت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا انداز ایک تھا۔ اور ان سب کے ساتھ اللہ کی رحمت کا معاملہ بھی ایک تھا۔ یہ دونوں نمونے تاریخ میں موجود ہیں اور کفار خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی اپنی تصویر کس نمونے سے ملتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں کس نمونے کی علامات پائی جاتی ہیں۔

تیسری بات جو بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا زبردست، قادر و توانا بھی ہے اور رحیم بھی۔ تاریخ میں اس کے قہر کی مثالیں بھی موجود ہیں اور رحمت کی بھی۔ اب یہ بات لوگوں کو خود ہی طے کرنی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے رحم کا مستحق بناتے ہیں یا قہر کا۔

آخری رکوع میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم لوگ اگر نشانیاں ہی دیکھنا چاہتے ہو تو آخر وہ خوفناک نشانیاں دیکھنے پر کیوں اصرار کرتے ہو جو تباہ شدہ قوموں نے دیکھی ہیں؟ اس قرآن کو دیکھو جو تمہاری اپنی زبان میں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ ان کے ساتھیوں کو دیکھو۔ کیا یہ کلام کسی شیطان یا جن کا کلام ہو سکتا ہے؟ کیا اس کلام کا پیش کرنے والا تمہیں کاہن نظر آتا ہے؟ کیا محمدؐ اور ان کے اصحاب تمہیں ویسے ہی نظر آتے ہیں جیسے شاعر اور ان کے ہم مشرب ہوا کرتے ہیں؟ ضد م ضدا کی بات دوسری ہے، مگر اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھو کہ وہ کیا شہادت دیتے ہیں۔ اگر دلوں میں تم خود جانتے ہو کہ کہانت اور شاعری سے اس کا کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ بھی جان لو کہ تم ظلم کر رہے ہو اور ظالموں کا سا انجام دیکھ کر رہو گے۔

---

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

طٰسٓمٓ۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں[1]

---

[1] یعنی یہ آیات، جو اس سورے میں پیش کی جارہی ہیں، اُس کتاب کی آیات ہیں جو اپنا مدعا صاف صاف کھول کر بیان کرتی ہے۔ جسے پڑھ کر یا سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ کس چیز کی طرف بلاتی ہے، کس چیز سے روکتی ہے، کسے حق کہتی ہے اور کسے باطل قرار دیتی ہے۔ ماننا یا نہ ماننا الگ بات ہے، مگر کوئی شخص یہ بہانہ کبھی نہیں بنا سکتا کہ اس کتاب کی تعلیم اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ اس سے یہ معلوم ہی نہ کر سکا کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے محمدؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے[1]۔ ہم چاہیں تو

اُس کو کیا چیز چھوڑنے اور کیا اختیار کرنے کی دعوت دے رہی ہے۔

قرآن کو الکتاب المبین کہنے کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے، اور وہ یہ کہ اس کا کتاب الٰہی ہونا ظاہر و باہر ہے۔ اس کی زبان، اس کا بیان، اس کے مضامین، اس کے پیش کردہ حقائق، اور اس کے حالاتِ نزول، سب کے سب صاف صاف دلالت کر رہے ہیں کہ یہ خداوند عالم ہی کی کتاب ہے۔ اس لحاظ سے ہر فقرہ جو اس کتاب میں آیا ہے ایک نشانی اور ایک معجزہ (آیت) ہے۔ کوئی شخص عقل و خرد سے کام لے تو اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین کرنے کے لیے کسی اور نشانی کی حاجت نہیں، کتابِ مبین کی یہی آیات (نشانیاں) اسے مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں۔

یہ مختصر تمہیدی فقرہ اپنے دونوں معنوں کے لحاظ سے اُس مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے جو آگے اس سورہ میں بیان ہوا ہے۔ کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگتے تھے تاکہ اس نشانی کو دیکھ کر انہیں اطمینان ہو کہ واقعی آپ یہ پیغام خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ فرمایا گیا کہ اگر حقیقت میں کسی کو ایمان لانے کے لیے نشانی کی طلب ہے تو کتابِ مبین کی یہ آیات موجود ہیں۔ اسی طرح کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام رکھتے تھے کہ آپ شاعر یا کاہن ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ کتاب کوئی چیستان اور معمّا تو نہیں ہے۔ صاف صاف کھول کر اپنی تعلیم پیش کر رہی ہے۔ خود ہی دیکھ لو کہ یہ تعلیم کسی شاعر یا کاہن کی ہو سکتی ہے؟

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ کہف میں فرمایا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا "شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے" (رکوع ۱) اور سورہ فاطر میں ارشاد ہوا فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ "ان لوگوں کی حالت پر رنج و افسوس میں تمہاری جان نہ گھلے" (رکوع ۲)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں اپنی قوم کی گمراہی و ضلالت، اس کی اخلاقی پستی، اس کی ہٹ دھرمی اور اصلاح کی ہر کوشش کے مقابلے میں اس کی مزاحمت کا رنگ دیکھ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم برسوں اپنے شب و روز کس دل گداز و جاں گسل کیفیت میں گزارتے رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں[۳]۔ ان لوگوں

بخع کے اصل معنی پوری طرح ذبح کر ڈالنے کے ہیں۔ باخع نفسک کے لغوی معنی یہ ہوئے کہ تم اپنے آپ کو قتل کیے دے رہے ہو۔

[۳] یعنی کوئی ایسی نشانی نازل کر دینا جو تمام کفار کو ایمان وطاعت کی روش اختیار کرنے پر مجبور کر دے اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ کام اس کی قدرت سے باہر ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کا جبری ایمان اس کو مطلوب نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل وخرد سے کام لے کر اُن آیات کی مدد سے حق کو پہچانیں جو کتاب الٰہی میں پیش کی گئی ہیں، جو تمام آفاق میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، جو خود ان کی اپنی ہستی میں پائی جاتی ہیں۔ پھر جب ان کا دل گواہی دے کہ واقعی حق وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے، اور اس کے خلاف جو عقیدے اور طریقے رائج ہیں وہ باطل ہیں تو جان بوجھ کر باطل کو چھوڑیں اور حق کو اختیار کریں۔ یہی اختیاری ایمان اور ترکِ باطل اور اتباعِ حق وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ انسان سے چاہتا ہے۔ اسی لیے اس نے انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی دی ہے۔ اسی بنا پر اس نے انسان کو یہ قدرت عطا کی ہے کہ صحیح اور غلط، جس راہ پر بھی وہ جانا چاہے جا سکے۔ اسی وجہ سے اس نے انسان کے اندر خیر اور شر کے دونوں رجحانات رکھ دیے ہیں، فجور اور تقویٰ کی دونوں راہیں اس کے آگے کھول دی ہیں، شیطان کو بہکانے کی آزادی عطا کی ہے، نبوت اور وحی اور دعوتِ خیر کا سلسلہ راہِ راست دکھانے کے لیے قائم کیا ہے، اور انسان کو انتخابِ راہ کے لیے ساری مناسبِ حال صلاحیتیں دے کر اس امتحان کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ وہ کفر وفسق کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ایمان وطاعت کا۔ اس امتحان کا سارا مقصد ہی فوت ہو جائے اگر اللہ تعالیٰ کوئی ایسی تدبیر اختیار فرمائے جو انسان کو ایمان اور اطاعت پر مجبور کر دینے والی ہو۔ جبری ایمان ہی مطلوب ہوتا تو نشانیاں نازل کر کے مجبور کرنے کی کیا حاجت تھی، اللہ تعالیٰ انسان کو اسی فطرت اور ساخت پر پیدا فرما سکتا تھا جس میں کفر، نافرمانی اور بدی کا کوئی امکان ہی نہ ہوتا، بلکہ فرشتوں کی طرح انسان بھی پیدائشی فرمانبردار ہوتا۔ یہی حقیقت ہے جس کی طرف متعدد مواقع پر قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا وَلَوْ شَآءَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے پاس رحمان کی طرف سے جو نئی نصیحت بھی آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اب کہ یہ جھٹلا چکے ہیں، عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں۔

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ " اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین کے رہنے والے سب کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ اب کیا تم لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرو گے؟" (یونس رکوع ۱۰)۔ اور وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ " اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا سکتا تھا۔ وہ تو مختلف راہوں پر ہی چلتے رہیں گے (اور بے راہ رویوں سے) صرف وہی بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی لیے تو اس نے ان کو پیدا کیا تھا" (ہود۔ رکوع ۱۰)۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحات ۳۱۳ و ۳۷۳۔

؁ یعنی جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ معقول طریقوں سے ان کو سمجھانے اور راہِ راست دکھانے کی جو کوشش بھی کی جائے اس کا مقابلہ بے رخی و بے التفاتی سے کریں ان کا علاج یہ نہیں ہے کہ ان کے دل میں زبردستی ایمان اتارنے کے لیے آسمان سے نشانیاں نازل کی جائیں، بلکہ ایسے لوگ اس بات کے مستحق ہیں کہ جب ایک طرف انہیں سمجھانے کا حق پورا پورا ادا کر دیا جائے اور دوسری طرف جب وہ بے رخی سے گزر کر قطعی اور کھلی تکذیب پر، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر حقیقت کا مذاق اڑانے پر اتر آئیں، تو ان کا انجام بد انہیں دکھا دیا جائے۔ یہ انجام بد اس شکل میں بھی انہیں دکھایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں وہ حق ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی ساری مزاحمتوں کے باوجود غالب آجائے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اس کی شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان پر ایک عذابِ الیم نازل ہو جائے اور وہ تباہ و برباد کر کے رکھ دیے جائیں۔ اور وہ اس شکل میں بھی ان کے سامنے آ سکتا ہے کہ چند سال اپنی غلط فہمیوں میں مبتلا رہ کر وہ موت کی ناگزیر منزل سے گزریں اور آخر کار ان پر ثابت ہو جائے کہ سراسر باطل تھا جس کی راہ میں انہوں نے اپنا تمام سرمایۂ زندگانی کھپا دیا اور حق وہی تھا جسے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے تھے اور جسے یہ عمر بھر ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے۔ اس انجام بد کے سامنے آنے کی چونکہ بہت سی شکلیں ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ نہیں ڈالی کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں ؟ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے[۵]، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی[۶]۔ ع

---

مختلف لوگوں کے سامنے وہ مختلف صورتوں سے آسکتا ہے اور آ رہا ہے، اسی لیے آیت میں نَبَأ کے بجائے اَنبَاء بصیغۂ جمع فرمایا گیا، یعنی جس چیز کا یہ مذاق اڑا رہے ہیں اس کی حقیقت آخر کار بہت سی مختلف شکلوں میں انہیں معلوم ہو گی۔

۵۔ یعنی جستجوئے حق کے لیے کسی کو نشانی کی ضرورت ہو تو کہیں دور رجانے کی ضرورت نہیں، آنکھیں کھول کر ذرا اس زمین ہی کی روئیدگی کو دیکھ لے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ نظام کائنات کی جو حقیقت (توحید الٰہ) انبیاء علیہم السلام پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہے، یا وہ نظریات صحیح ہیں جو مشرکین یا منکرین خدا بیان کرتے ہیں۔ زمین سے اُگنے والی بے شمار انواع و اقسام کی چیزیں جس کثرت سے اُگ رہی ہیں، جن مادوں اور قوتوں کی بدولت اُگ رہی ہیں، جن قوانین کے تحت اُگ رہی ہیں، پھر اُن کے خواص اور صفات میں اور بے شمار مخلوقات کی ان گنت ضرورتوں میں جو صریح مناسبت پائی جاتی ہے، ان ساری چیزوں کو دیکھ کر صرف ایک احمق ہی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی حکیم کی حکمت، کسی علیم کے علم، کسی قادر و توانا کی قدرت اور کسی خالق کے منصوبۂ تخلیق کے بغیر بس یونہی آپ سے آپ ہو رہا ہے، یا اس سارے منصوبے کو بنانے اور چلانے والا کوئی ایک خدا نہیں ہے بلکہ بہت سے خداؤں کی تدبیر نے زمین اور آفتاب و ماہتاب اور ہوا اور پانی کے درمیان یہ ہم آہنگی اور ان وسائل سے پیدا ہونے والی نباتات اور بے حد و حساب مختلف النوع جانداروں کی حاجات کے درمیان یہ مناسبت پیدا کر رکھی ہے۔ ایک ذی عقل انسان تو، اگر وہ کسی ہٹ دھرمی اور پیشگی تعصب میں مبتلا نہیں ہے، اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ یقیناً یہ خدا کے ہونے اور ایک ہی خدا کے ہونے کی کھلی کھلی علامات ہیں۔ ان نشانیوں کے ہوتے اور کس معجزے کی ضرورت ہے جسے دیکھے بغیر آدمی کو توحید کی صداقت کا یقین نہ آسکتا ہو؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ جبکہ تمہارے رب نے موسیٰؑ کو پکارا "ظالم قوم

۱۶ یعنی اس کی قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے، مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا رحم ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، برسوں اور صدیوں ڈھیل دیتا ہے، سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیے جاتا ہے، اور عمر بھر کی نافرمانیوں کو ایک توبہ پر معاف کر دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔

۱۷ اوپر کی مختصر تمہیدی تقریر کے بعد اب تاریخی بیان کا آغاز ہو رہا ہے جس کی ابتدا حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصے سے کی گئی ہے۔ اس سے خاص طور پر جو سبق دینا مقصود ہے وہ یہ کہ:

اولاً، حضرت موسیٰ کو جن حالات سے سابقہ پیش آیا تھا وہ ان حالات کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ سخت تھے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ درپیش تھا۔ حضرتِ موسیٰؑ ایک غلام قوم کے فرد تھے جو فرعون اور اس کی قوم سے بُری طرح دبی ہوئی تھی، بخلاف اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایک فرد تھے اور آپ کا خاندان قریش کے دوسرے خاندانوں کے ساتھ بالکل برابر کی پوزیشن رکھتا تھا۔ حضرت موسیٰ نے خود اس فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اور ایک قتل کے الزام میں دس برس روپوش رہنے کے بعد انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اسی بادشاہ کے دربار میں جا کھڑے ہوں جس کے ہاں سے وہ جان بچا کر فرار ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کسی نازک صورتِ حال سے سابقہ نہ تھا۔ پھر فرعون کی سلطنت اُس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ور سلطنت تھی۔ قریش کی طاقت کو اس کی طاقت سے کوئی نسبت نہ تھی۔ اس کے باوجود فرعون حضرت موسیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور آخر کار ان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کفارِ قریش کو یہ سبق دینا چاہتا ہے کہ جس کی پشت پر اللہ کا ہاتھ ہو اس کا مقابلہ کر کے کوئی جیت نہیں سکتا۔ جب فرعون کی موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کچھ پیش نہ گئی تو تم بیچارے کیا ہستی ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بازی جیت لے جاؤ گے۔

ثانیاً، جو نشانیاں حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے فرعون کو دکھائی گئیں اس سے زیادہ کھلی نشانیاں اور کیا ہو سکتی ہیں۔ پھر ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں فرعون ہی نے چیلنج پر علی الاعلان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پاس جا — فرعون کی قوم پاس۔ — کیا وہ نہیں ڈرتے؟ اُس نے عرض کیا

جادوگروں سے مقابلہ کر کے یہ ثابت بھی کر دیا گیا کہ جو کچھ حضرت موسیٰ دکھا رہے ہیں وہ جادو نہیں ہے۔ فنِ سحر کے جو ماہرین فرعون کی اپنی قوم سے تعلق رکھتے تھے اور اُس کے اپنے بلائے ہوئے تھے، انہوں نے خود یہ تصدیق کر دی کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا اژدہا بن جانا ایک حقیقی تغیر ہے اور یہ صرف خدائی معجزے سے ہو سکتا ہے، جادوگری کے ذریعہ سے ایسا ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ ساحروں نے ایمان لا کر اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس امر میں کسی شک کی گنجائش باقی نہ چھوڑی کہ حضرت موسیٰ کی پیش کردہ نشانی واقعی معجزہ ہے، جادوگری نہیں ہے۔ لیکن اس پر بھی جو لوگ ہٹ دھرمی میں مبتلا تھے انہوں نے نبی کی صداقت تسلیم کر کے نہ دی۔ اب تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ تمہارا ایمان لانا دراصل حقیقت کوئی حسی معجزہ اور مادی نشان دیکھنے پر موقوف ہے۔ تعصب، حمیت جاہلیہ، اور مفاد پرستی سے آدمی پاک ہو اور کھلے دل سے حق اور باطل کا فرق سمجھ کر غلط بات کو چھوڑنے اور صحیح بات قبول کرنے کے لیے کوئی شخص تیار ہو تو اس کے لیے وہی نشانیاں کافی ہیں جو اس کتاب میں اور اس کے لانے والے کی زندگی میں اور خدا کی وسیع کائنات میں ہر آنکھوں والا ہر وقت دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ ایک ہٹ دھرم آدمی جسے حق کی جستجو ہی نہ ہو اور اغراضِ نفسانی کی بندگی میں مبتلا ہو کر جس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ کسی ایسی صداقت کو قبول نہ کرے گا جس سے اسکی اغراض پر ضرب لگتی ہو، وہ کوئی نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے گا خواہ زمین اور آسمان ہی اس کے سامنے کیوں نہ اُلٹ دیئے جائیں۔

ثالثاً، اس ہٹ دھرمی کا جو انجام فرعون نے دیکھا وہ کوئی ایسا انجام تو نہیں ہے جسے دیکھنے کے لیے دوسرے لوگ بے تاب ہوں۔ اپنی آنکھوں سے خدائی طاقت کے نشانات دیکھ لینے کے بعد جو نہیں مانتے وہ پھر ایسے ہی انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ اب کیا تم لوگ اس سے عبرت

© rasailojaraid.com

۱۳؎ اے میرے رب، مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلادیں گے۔ میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں ۱۱؎ اور مجھ پر اُن کے ہاں ایک جُرم کا الزام بھی ہے

---

حاصل کرنے کے بجائے اس کا مزا چکھنا ہی پسند کرتے ہو؟

تقابل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۳ تا ۷۴ - ۱۰۲ تا ۳۱۰ - ۶۴۶ تا ۶۴۹، جلد سوم ص ۸۵ تا ۱۰۱

۸؎ یہ انداز بیان قوم فرعون کے انتہائی ظلم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا تعارف ہی "ظالم قوم" کے لقب سے کرایا گیا ہے۔ گویا اس کا اصل نام ظالم قوم ہے اور قوم فرعون اس کا ترجمہ و تفسیر۔

۹؎ یعنی اے موسیٰ، دیکھو کیسی عجیب بات ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مختار مطلق سمجھتے ہوئے دنیا میں ظلم و ستم ڈھائے جارہے ہیں اور اس بات سے بے خوف ہیں کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے جو ان سے باز پرس کرنے والا ہے۔

۱۰؎ سورہ طٰہٰ رکوع ۲، اور سورہ قصص رکوع ۴ میں اس کی جو تفصیل آئی ہے اسے ان آیات کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اول تو اتنے بڑے مشن پر تنہا جاتے ہوئے گھبراتے تھے (میرا سینہ گھٹتا ہے کے الفاظ اسی کی نشان دہی کرتے ہیں) دوسرے ان کو یہ بھی احساس تھا کہ وہ روانی کے ساتھ تقریر نہیں کر سکتے۔ اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ حضرت ہارون کو ان کے ساتھ مددگار کی حیثیت سے نبی بنا کر بھیجا جائے کیونکہ وہ زیادہ زبان آور ہیں، جب ضرورت پیش آئے گی تو وہ ان کی تائید و تصدیق کر کے ان کی پشت مضبوط کریں گے۔ ممکن ہے کہ ابتداءً حضرت موسیٰ کی درخواست یہی رہی ہو کہ آپ کے بجائے حضرت ہارون کو اس منصب پر مامور کیا جائے، اور بعد میں جب آپ نے محسوس کیا ہو کہ مرضی الٰہی آپ ہی کو مامور کرنے کی ہے تو پھر یہ درخواست کی ہو کہ انہیں آپ کا وزیر اور مددگار بنایا جائے۔ یہ شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ ان کو وزیر بنانے کی درخواست نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ عرض کر رہے ہیں کہ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ "آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں" اور سورہ طٰہٰ میں وہ یہ گزارش کرتے ہیں کہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی "میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک وزیر مقرر فرما دیجیے، میرے بھائی ہارون کو" نیز سورہ قصص میں وہ یہ عرض کرتے ہیں کہ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ "میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ زبان آور ہیں لہٰذا آپ انہیں مددگار



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔"[11] فرمایا "ہرگز نہیں، تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر[12]، ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو، ہم کو رب العٰلمین نے اس لیے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے[13]۔"

---

کے طور پر میرے ساتھ بھیجیے تا کہ وہ میری تصدیق کریں۔" اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ مؤخرالذکر دونوں درخواستیں بعد کی تھیں، اور پہلی بات وہی تھی جو حضرت موسیٰ سے اس سورے میں نقل ہوئی ہے۔

بائیبل کا بیان اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ نے قوم فرعون کی تکذیب کا خوف اور اپنی زبان کے گُند ہونے کا عذر پیش کرکے یہ منصب قبول کرنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تھا: "اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔" پھر اللہ تعالیٰ نے بطور خود حضرت ہارون کو ان کے لیے مددگار مقرر فرما کر انہیں اس بات پر راضی کیا کہ دونوں بھائی مل کر فرعون کے پاس جائیں (خروج باب ۴- آیات ۱ تا ۱۷)

[11] یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جو سورہ قصص رکوع ۲ میں بیان ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ نے قوم فرعون کے ایک شخص کو ایک اسرائیلی سے لڑتے دیکھ کر ایک گھونسا مار دیا تھا جس سے وہ مر گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ کو معلوم ہوا کہ اس واقعہ کی اطلاع قومِ فرعون کے لوگوں کو ہوگئی ہے اور وہ بدلہ لینے کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ ملک چھوڑ کر مدین کی طرف فرار ہو گئے تھے۔ اب جو آٹھ دس سال کی روپوشی کے بعد یکایک انہیں یہ حکم دیا گیا کہ تم پیغام رسالت لیکر اسی فرعون کے دربار میں جا کھڑے ہو جس کے ہاں تمہارے خلاف قتل کا مقدمہ پہلے سے موجود ہے تو حضرت موسیٰ کو بجا طور پر یہ خطرہ ہوا کہ پیغام سنانے کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ تو مجھے اس قتل کے الزام میں پھانس لے گا۔

[12] نشانیوں سے مراد عصا اور ید بیضا کے معجزے ہیں جن کے عطا کیے جانے کی تفصیل سورہ طٰہٰ رکوع ۱، سورہ نمل رکوع ۱، اور سورہ قصص رکوع ۴ میں بیان ہوئی ہے۔

[13] حضرت موسیٰ و ہارون کی دعوت کے دو جز تھے۔ ایک، فرعون کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا، جو تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مقصود رہا ہے۔ دوسرے، بنی اسرائیل کو فرعون کے بندِ غلامی سے نکالنا، جو مخصوص طور پر انہی دونوں حضرات کا مشن تھا۔ قرآن مجید میں کسی جگہ صرف پہلے جزو کا ذکر کیا گیا ہے (مثلاً سورہ نازعات میں) اور کسی جگہ صرف دوسرے جز کا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فرعون نے کہا "کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟[14] تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے، اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کہ کر گیا،[15] تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے"۔

موسیٰ نے جواب دیا "اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا[16] پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا[17] اور مجھے رسولوں میں شامل فرما لیا۔ رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا"[18]۔

---

[14] اس سے ایک اشارہ اس خیال کی تائید میں نکلتا ہے کہ یہ فرعون وہ فرعون نہ تھا جس کے گھر میں حضرت موسیٰ نے پرورش پائی تھی، بلکہ یہ اس کا بیٹا تھا۔ اگر یہ وہی فرعون ہوتا تو کہتا کہ میں نے تجھے پالا تھا۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ ہمارے ہاں تو رہا ہے اور ہم نے تیری پرورش کی ہے۔ (اس مسئلے پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۷۶ و ۷۱)۔

[15] اشارہ ہے اسی واقعۂ قتل کی طرف جو حضرت موسیٰ سے سرزد ہو گیا تھا۔

[16] اصل الفاظ ہیں وانا من الضالین "میں اس وقت ضلالت میں تھا" یا "میں نے اس وقت یہ کام ضلالت کی حالت میں کیا تھا"۔ یہ لفظ ضلالت لازماً "گمراہی" کا ہی ہم معنی نہیں ہے۔ بلکہ عربی زبان میں اسے "ناواقفیت" نادانی، خطا، نسیان، نادانستگی وغیرہ معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جو واقعہ سورۂ قصص میں بیان ہوا ہے اس پر غور کرنے سے یہاں ضلالت بمعنی خطا یا نادانستگی ہی لینا زیادہ صحیح ہے۔ حضرت موسیٰ نے اس قبطی کو ایک اسرائیلی پر ظلم کرتے دیکھ کر صرف ایک گھونسا مارا تھا۔ ظاہر ہے کہ گھونسے سے بالعموم آدمی مرتا نہیں ہے، نہ قتل کی نیت سے گھونسا مارا جاتا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس سے وہ شخص مر گیا۔ اس لیے صحیح صورت واقعہ یہی ہے کہ یہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطا تھا۔ قتل ہوا ضرور، مگر بالارادہ قتل کی نیت سے نہیں ہوا، نہ کوئی ایسا آلہ یا ذریعہ استعمال کیا گیا جو قتل کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے یا جس سے قتل واقع ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

[17] یعنی علم و دانش اور پروانۂ نبوت۔ حکم کے معنی حکمت و دانش کے بھی ہیں، اور اس سند اقتدار [illegible] کے بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کو عطا کی جاتی ہے جس کی بنا پر وہ اختیار کے ساتھ بولتا ہے۔

[18] یعنی تیرے گھر میں پرورش پانے کے لیے میں کیوں آتا اگر تو نے بنی اسرائیل پر ظلم نہ ڈھایا ہوتا۔ تیرے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


فرعون نے کہا[۱۹] "اور یہ رب العلمین کیا ہوتا ہے؟"[۲۰]

موسیٰ نے جواب دیا "آسمانوں اور زمین کا رب، اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں، اگر تم یقین لانے والے ہو۔"[۲۱]

فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا "سنتے ہو؟"

موسیٰ نے کہا "تمہارا رب بھی اور تمہارے اُن آباو اجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں۔"[۲۲]

---

ظلم کی وجہ سے تو میری ماں نے مجھے ٹوکری میں ڈال کر دریا میں بہایا تھا۔ ورنہ کیا میری پرورش کے لیے میرا اپنا گھر موجود نہ تھا۔ اس لیے اس پرورش کا احسان جتانا تجھے زیب نہیں دیتا۔

۱۹ بیچ میں یہ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے آپ کو رب العلمین کے رسول کی حیثیت سے پیش کرکے فرعون کو وہ پیغام پہنچایا جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے۔ یہ بات آپ سے آپ ظاہر ہے کہ نبی نے ضرور وہ پیغام پہنچا دیا ہوگا جس پر وہ مامور کیے گئے تھے، اس لیے اس کا ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی۔ اسے چھوڑ کر اب وہ گفتگو نقل کی جاتی ہے جو اس پیغام کی تبلیغ کے بعد فرعون اور موسیٰ کے درمیان ہوئی۔

۲۰ یہ اُس کا سوال حضرت موسیٰ کے اس قول پر تھا کہ میں رب العلمین (تمام جہان والوں کے مالک و آقا اور فرمانروا) کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے۔ اس پیغام کی نوعیت صریح طور پر سیاسی تھی۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ حضرت موسیٰ جس کی نمائندگی کے مدعی ہیں وہ سارے جہان والوں پر حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ رکھتا ہے اور فرعون کو اپنا تابع قرار دے کر اس کے دائرہ حکومت و اقتدار میں ایک بالاتر فرمانروا کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ مداخلت کر رہا ہے بلکہ اس کے نام یہ فرمان بھیج رہا ہے کہ تو اپنی رعایا کے ایک حصے کو میرے نامزد کردہ نمائندے کے حوالے کر دے تاکہ وہ اسے تیری سلطنت سے باہر نکال لے جائے۔ اس پر فرعون پوچھتا ہے کہ یہ سارے جہان والوں کا مالک و فرمانروا ہے کون جو مصر کے بادشاہ کو اس کی رعایا کے ایک ادنیٰ فرد کے ہاتھوں یہ حکم بھیج رہا ہے؟

۲۱ یعنی میں زمین پر بسنے والے کسی مخلوق اور فانی مدعیِ ملوکیت کی طرف سے نہیں آیا ہوں، بلکہ اس کی طرف سے آیا ہوں جو آسمان و زمین کا مالک ہے۔ اگر تم اس بات کا یقین رکھتے ہو کہ اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک و فرمانروا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرعون نے (حاضرین سے) کہا "تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل ہی پاگل معلوم ہوتے ہیں"۔

موسیٰ نے کہا "مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب، اگر آپ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں"۔[۲۳]

فرعون نے کہا "اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں"۔[۲۴]

---

تو تمہیں یہ سمجھنے میں کوئی زحمت نہیں ہونی چاہیے کہ سارے جہان والوں کا رب کون ہے۔

۲۲۔ یعنی میں ان جھوٹے ارباب کا قائل نہیں ہوں جو آج ہیں اور کل نہ تھے، اور کل تھے مگر آج نہیں ہیں۔ تمہارا یہ فرعون جو آج تمہارا رب بنا بیٹھا ہے کل نہ تھا اور کل تمہارے باپ دادا جن فرعونوں کو رب بنائے بیٹھے تھے وہ آج نہیں ہیں۔ میں صرف اُس رب کی حاکمیت و فرمانروائی مانتا ہوں جو آج بھی تمہارا اور اس فرعون کا رب ہے، اور اس سے پہلے جو تمہارے اور اس کے باپ دادا گذر چکے ہیں ان سب کا رب بھی تھا۔

۲۳۔ یعنی مجھے تو پاگل قرار دیا جا رہا ہے لیکن آپ لوگ اگر عاقل ہیں تو خود سوچیے کہ حقیقت میں رب یہ بیچارا فرعون ہے، جو زمین کے ایک ذرا سے رقبے پر بادشاہ بنا بیٹھا ہے، یا وہ جو مشرق و مغرب کا مالک اور مصر سمیت ہر اس چیز کا مالک ہے جو مشرق و مغرب سے گھری ہوئی ہے۔ میں تو فرمانروائی اسی کی مانتا ہوں اور اسی کی طرف سے یہ حکم اس کے ایک بندے کو پہنچا رہا ہوں۔

۲۴۔ اس گفتگو کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ آج کی طرح قدیم زمانے میں بھی "معبود" کا تصور صرف مذہبی معنوں تک محدود تھا یعنی یہ کہ اُسے بس پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کا استحقاق پہنچتا ہے، اور اپنے فوق الفطری غلبہ و اقتدار کی وجہ سے اس کا یہ منصب بھی ہے کہ انسان اپنے معاملات میں اس سے استمداد و استعانت کے لیے دعائیں مانگیں۔ لیکن کسی معبود کی یہ حیثیت کہ وہ قانونی اور سیاسی معنوں میں بھی بالادست ہے اور اسے یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ معاملاتِ دنیا میں وہ جو حکم چاہے دے اور انسانوں کا یہ فرض ہے کہ اس کے امر و نہی کو قانونِ برتر مان کر اس کے آگے جھک جائیں، یہ چیز زمین کے مجازی فرمانرواؤں نے نہ پہلے کبھی مان کر دی تھی، نہ آج وہ اسے ماننے کے لیے تیار ہیں۔ وہ ہمیشہ سے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں ہم مختار مطلق ہیں، کسی معبود کو ہماری سیاست اور ہمارے قانون میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ دنیوی حکومتوں اور بادشاہوں سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی پیروی کرنے والے مصلحین کے تصادم کی اصل وجہ یہی رہی ہے۔ انہوں نے ان سے خداوندِ عالم کی حاکمیت و بالادستی تسلیم کرانے کی کوشش کی ہے اور


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



موسیٰ نے کہا "اگرچہ میں لے آؤں تیرے سامنے ایک صریح چیز بھی؟"[25]

فرعون نے کہا "اچھا تو لے آ اگر تو سچا ہے۔"[26]

---

یہ اس کے جواب میں نہ صرف یہ کہ اپنی حاکمیتِ مطلقہ کا دعویٰ پیش کرتی رہی ہیں بلکہ انہوں نے ہر اس شخص کو مجرم اور باغی ٹھیرایا ہے جو ان کے سوا کسی اور کو قانون و سیاست کے میدان میں معبود مانے۔ اس تشریح سے فرعون کی اس گفتگو کا صحیح مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر معاملہ صرف پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کا ہوتا تو اس کو اس سے کوئی بحث نہ تھی کہ موسیٰ دوسرے دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ رب العالمین کو اس کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر صرف اسی معنی میں توحید فی العبادت کی دعوت حضرت موسیٰ نے اس کو دی ہوتی تو اسے غضبناک ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کچھ کرتا تو بس یہ کہ اپنا دینِ آبائی چھوڑنے سے انکار کر دیتا، یا حضرت موسیٰ سے کہتا کہ میرے مذہب کے پنڈتوں سے مناظرہ کر لو۔ لیکن جس چیز نے اسے غضبناک کر دیا وہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے رب العالمین کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کر کے اُسے اس طرح ایک سیاسی حکم پہنچایا کہ گویا وہ ایک ماتحت حاکم ہے اور ایک حاکمِ برتر کا پیغامبر آکر اس سے اطاعتِ امر کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس معنی میں وہ اپنے اوپر کسی کی سیاسی و قانونی برتری ماننے کے لیے تیار نہ تھا، بلکہ وہ یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ اس کی رعایا میں سے کوئی فرد اس کے بجائے کسی اور کو حاکمِ برتر مانے۔ اسی لیے اس نے پہلے "رب العالمین" کی اصطلاح کو چیلنج کیا، کیونکہ اس کی طرف سے لائے ہوئے پیغام میں محض مذہبی معبودیت کا نہیں بلکہ کھلا کھلا سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کا رنگ نظر آتا تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے بار بار تشریح کر کے بتایا کہ جس رب العٰلمین کا پیغام وہ لائے ہیں وہ کون ہے، تو اس نے صاف صاف دھمکی دیدی کہ ملکِ مصر میں تم نے میرے اقتدارِ اعلیٰ کے سوا کسی اور کے اقتدار کا نام بھی لیا تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔

۲۵؎ یعنی کیا تو اس صورت میں بھی میری بات ماننے سے انکار کرے گا اور مجھے جیل بھیجے گا جبکہ میں اس امر کی بیّن صریح علامت پیش کر دوں کہ میں واقعی اس خدا کا فرستادہ ہوں جو ربّ العٰلمین، ربّ السمٰوات والارض اور ربّ المشرق والمغرب ہے؟

۲۶؎ حضرت موسیٰ کے سوال پر فرعون کا یہ جواب خود ظاہر کرتا ہے کہ اس کا حال قدیم و جدید زمانے کے عام مشرکین سے مختلف نہ تھا۔ وہ فوق الفطری معنوں میں اللہ کے الٰہ الآلہہ ہونے کو مانتا تھا اور دوسرے مشرکین کی طرح یہ بھی تسلیم کرتا تھا کہ کائنات میں اُس کی قدرت سب دیوتاؤں سے برتر ہے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ اگر تجھے میرے مامور من اللہ ہونے کا یقین نہیں ہے تو میں ایسی صریح نشانیاں پیش کروں جن سے ثابت ہو جائے کہ میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(اس کی زبان سے یہ بات نکلتے ہی) موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدہا تھا۔[۲۷]
پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔[۲۸] ع
فرعون اپنے گردوپیش کے سرداروں سے بولا "یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔[۲۹] اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو؟"[۳۰]

---

اسی وجہ سے اس نے بھی جواب دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو لاؤ کوئی نشانی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ہستی یا اس کے مالکِ کائنات ہونے ہی میں کلام ہوتا تو نشانی کا سوال پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا۔ نشانی کی بات تو اسی صورت میں درمیان آسکتی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کا قادرِ مطلق ہونا تو مسلّم ہو، اور بحث اس امر میں ہو کہ حضرت موسیٰ اس کے بھیجے ہوئے ہیں یا نہیں۔

۲۷؎ قرآن مجید میں کسی جگہ اس کے لیے حَیَّۃٌ (سانپ) اور کسی جگہ جَانٌّ (جو بالعموم چھوٹے سانپ کے لیے بولا جاتا ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور یہاں اُسے ثُعْبَانٌ (اژدہا) کہا جا رہا ہے۔ اس کی توجیہ امام رازی اس طرح کرتے ہیں کہ حَیَّۃٌ عربی زبان میں سانپ کی جنس کے لیے مشترک نام ہے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور ثُعْبَان کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ جسامت کے اعتبار سے وہ اژدہے کی طرح تھا۔ اور جَانٌّ کا لفظ اس بنا پر استعمال کیا گیا کہ اس کی پھرتی اور تیزی چھوٹے سانپ جیسی تھی۔

۲۸؎ بعض مفسرین نے یہودی روایات سے متاثر ہو کر بیضاء کے معنی "سفید" کیے ہیں اور اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ بغل سے نکالتے ہی بھلا چنگا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید ہو گیا۔ لیکن ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، رازی، ابو السعود عمادی، آلوسی اور دوسرے بڑے بڑے مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہاں بیضاء بمعنی روشن اور چمکدار ہے۔ جونہی کہ حضرت موسیٰ نے بغل سے ہاتھ نکالا یکایک سارا ماحول جگمگا اٹھا اور یوں محسوس ہوا جیسے سورج نکل آیا ہے۔

۲۹؎ دونوں معجزوں کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یا تو ایک لمحہ پہلے وہ اپنی رعیت کے ایک فرد کو بر سرِ دربار رسالت کی باتیں اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتے دیکھ کر پاگل قرار دے رہا تھا (کیونکہ اس کے نزدیک ایک غلام قوم کے فرد کا اس جیسے باجبروت بادشاہ کے حضور ایسی جسارت کرنا پاگل پن کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا) اور اسے دھمکی دے رہا تھا کہ تو نے میرے سوا کسی کو معبود مانا تو جیل میں سڑا سڑا کر مار دوں گا، یا اب ان نشانیوں کو دیکھتے ہی اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اسے اپنی بادشاہی اور اپنا ملک چھننے کا خطرہ لاحق ہو گیا اور بدحواسی میں اسے یہ بھی احساس نہ رہا کہ میں بھرے دربار میں اپنے نوکروں کے سامنے کیسی بے تکی باتیں کر رہا ہوں۔ بنی اسرائیل جیسی دبی ہوئی قوم کے دو افراد وقت کے سب سے بڑے طاقتور بادشاہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انہوں نے کہا "اسے اور اس کے بھائی کو روک لیجیے اور شہروں میں آدمی بھیجیے کہ ہر سیانے جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔"

چنانچہ ایک روز مقررہ وقت پر[۴۱] جادوگر اکٹھے کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا "تم اجتماع میں چلو گے؟[۴۲]

سامنے کھڑے تھے۔ کوئی لاؤ لشکر ان کے ساتھ نہ تھا۔ کوئی جان ان کی قوم میں نہ تھی۔ کسی بغاوت کا نام و نشان تک ملک کے کسی گوشے میں نہ تھا۔ ملک سے باہر کسی دوسری حکومت کی طاقت بھی ان کی پشت پر نہ تھی۔ اس حالت میں صرف ایک لاٹھی کا اژدہا بننے دیکھ کر اور ایک ہاتھ کو چمکتے دیکھ کر یکایک اس کا چیخ اٹھنا کہ یہ دو بے سر و سامان آدمی میری سلطنت کا تختہ الٹ دیں گے اور پورے حکمران طبقے کو اقتدار سے بے دخل کر دیں گے، آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ یہ شخص جادو کے زور سے ایسا کر ڈالے گا مزید بدحواسی کی دلیل ہے۔ جادو کے زور سے دنیا میں کبھی کوئی سیاسی انقلاب نہیں ہوا، کوئی ملک فتح نہیں ہوا، کوئی جنگ نہیں جیتی گئی۔ جادوگر تو اس کے اپنے ملک میں موجود تھے اور بڑے بڑے کرشمے دکھا سکتے تھے۔ مگر وہ خود جانتا تھا کہ تماشا کر کے انعام لینے سے بڑھ کر ان کی کوئی اوقات نہیں ہے۔ سلطنت تو کجا، وہ بیچارے تو سلطنت کے کسی پولیس کانسٹیبل کو بھی چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔

۴۰ یہ فقرہ فرعون کی مزید بدحواسی کو ظاہر کرتا ہے۔ کہاں تو وہ الٰہ بنا ہوا تھا اور یہ سب اس کے بندے تھے کہاں اب الٰہ صاحب مارے خوف کے بندوں سے پوچھ رہے ہیں کہ تمہارا حکم کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں گویا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میری عقل تو اب کچھ کام نہیں کرتی، تم بتاؤ کہ اس خطرے کا مقابلہ میں کیسے کروں۔

۴۱ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے کہ اس مقابلے کے لیے قبطیوں کی قومی عید کا دن (یوم الزینۃ) مقرر کیا گیا تھا تاکہ ملک کے گوشے گوشے سے میلوں ٹھیلوں کی خاطر آنے والے سب لوگ یہ عظیم الشان "دنگل" دیکھنے کے لیے جمع ہو جائیں، اور اس کے لیے وقت بھی دن چڑھے کا طے ہوا تھا تاکہ روز روشن میں سب کی آنکھوں کے سامنے فریقین کی طاقت کا مظاہرہ ہو اور روشنی کی کمی کے باعث کوئی شک و شبہ پیدا ہونے کی گنجائش نہ رہے۔

۴۲ یعنی صرف اعلان و اشتہار ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آدمی اس غرض کے لیے چھوڑے گئے کہ لوگوں کو اکسا اکسا کر یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے لائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھرے دربار میں جو معجزات حضرت موسیٰ نے دکھائے تھے ان کی خبر عام لوگوں میں پھیل چکی تھی اور فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ اس سے ملک کے باشندے متاثر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے اس نے چاہا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہوں اور خود دیکھ لیں کہ لاٹھی کا سانپ بن جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، ہمارے ملک کا ہر جادوگر یہ کمال دکھا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شاید کہ ہم جادوگروں کے دین ہی پر رہ جائیں اگر وہ غالب رہے[۳۳]۔"

جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا "ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے؟"[۳۴]

اس نے کہا "ہاں، اور تم تو اس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے[۳۵]۔"

---

۳۳ے یہ فقرہ اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ جن حاضرینِ دربار نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھا تھا، اور باہر جن لوگوں تک اس کی معتبر خبریں پہنچی تھیں ان کے عقیدے اپنے دینِ آبائی پر سے متزلزل ہوئے جا رہے تھے، اور اب ان کے دین کا دارومدار بس اس پر رہ گیا تھا کہ کسی طرح جادوگر بھی وہ کام کر دکھائیں جو موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے۔ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت اسے خود ایک فیصلہ کن مقابلہ سمجھ رہے تھے۔ ان کے اپنے بھیجے ہوئے آدمی عوام الناس کے ذہن میں یہ بات بٹھاتے پھر رہے تھے کہ اگر جادوگر کامیاب ہو گئے تو ہم موسیٰ کے دین میں جانے سے بچ جائیں گے ورنہ ہمارے دین و ایمان کی خیر نہیں ہے۔

۳۴ے یہ تھے وہ حامیانِ دینِ مشرکین جو موسیٰ علیہ السلام کے حملے سے اپنے دین کو بچانے کے لیے اس فیصلہ کن مقابلے کے وقت ان پاکیزہ جذبات کے ساتھ آئے تھے کہ ہم نے پالا مار لیا تو سرکار سے کچھ انعام مل جائے گا۔

۳۵ے اور یہ تھا وہ بڑے سے بڑا اجر جو ان خادمانِ دین و ملت کو بادشاہ وقت کے ہاں سے مل سکتا تھا یعنی روپیہ پیسہ ہی نہیں ملے گا، دربار میں کرسی بھی نصیب ہو جائے گی۔ اس طرح فرعون اور اس کے ساحروں نے پہلے ہی مرحلے پر نبی اور جادوگر کا عظیم اخلاقی فرق خود کھول کر رکھ دیا۔ ایک طرف وہ حوصلہ تھا کہ بنی اسرائیل جیسی پسی ہوئی قوم کا ایک فرد دس سال تک قتل کے ایک الزام میں روپوش رہنے کے بعد فرعون کے دربار میں دندناتا آ کھڑا ہوتا ہے اور دھڑلے کے ساتھ کہتا ہے کہ میں اللہ رب العٰلمین کا بھیجا ہوا ہوں، بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر۔ فرعون سے دو بدو بحث کرنے میں وہ ادنیٰ سی جھجک بھی محسوس نہیں کرتا۔ اس کی دھمکیوں کو وہ پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ دوسری طرف یہ کم حوصلگی ہے کہ اسی فرعون کے ہاں باپ دادا کے دین کو بچانے کی خدمت پر بلائے جا رہے ہیں، پھر بھی ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ سرکار، کچھ انعام تو مل جائے گا نا، اور جواب میں یہ سن کر پھولے نہیں سماتے کہ پیسہ بھی ملے گا اور قربِ شاہی سے بھی سرفراز کیے جاؤ گے۔ یہ دو متقابل کے کردار آپ سے آپ ظاہر کر رہے تھے کہ نبی کس شان کا انسان ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جادوگروں کی کیا ہستی ہوتی ہے۔ جب تک کوئی شخص بے حیائی کی ساری حدوں کو نہ پھاند جائے، وہ نبی کو جادوگر کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

© rasailojaraid.com